مسلم شناخت اور

مسجد کے مینار

سوئٹزرلینڈ کا ریفرنڈم

جان ایل ایسپوزیٹو

جان ایل ایسپوزیٹو، جارج ٹاؤن یونیورسٹی، واشنگٹن میں اسلامیات کے استاد ہیں اور یونیورسٹی کے مرکز برائے مسلم مسیحی تعلقات کے بانی ڈائریکٹر ہیں۔

ترجمہ: محمد افضل

گزشتہ سال یورپ میں امریکہ اور یورپ سے تعلق رکھنے والے انٹیلی جنس آفیسرز کی ایک میٹنگ منعقد کی گئی، جس میں سوئٹزر لینڈ کے نمائندہ نے میناروں پر تجویز کردہ ریفرنڈم پر تبصرہ کیا۔ نمائندہ کو یہ یقین تھا کہ میناروں کا یہ معاملہ مزید آگے نہیں بڑھے گا

جیسے کہ اس نے اظہار بھی کیا تھا۔ سوئٹزر لینڈ کے معاشرتی نظام میں برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ تاہم وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور مینار ہیں۔ روشن خیال سوئٹزر لینڈ اب آزاد اور روشن خیال یورپ کا آزادی نہیں ہے۔ 57% لوگوں کی حیران کردینے والی رائے میں معاملہ میں حیرت شاید اس لیے نہیں ہونی چاہیے، خاص طور پر اگر یوں مسلم طاقت کا خوف ہے۔

یورپ اور امریکہ دونوں میں اہم سیاستدان، سیاسی مبصرین، میڈیا کے لگاتار یہ ذہن سازی کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی اہم ابھرتی ہوئی کی انتہا پسندی ہی نہیں بلکہ اسلام ایک خطرہ ہے۔ امریکہ اور یورپ امریکہ اور انگلستان کی اس پالیسی کو چیلنج کیا گیا ہے جو کثیر التہذیبی سے داخلی طور پر دہشت گردی کو فروغ ملا ہے۔

مختلف ثقافتی اقلیتوں کو اپنی انفرادیت وہاں چند ایک مساجد ایسی ہیں جن کے حصہ ہے پھر بھی وہاں ہر معاملے میں مکمل میناروں پر پابندی ہونی چاہیے۔ مگر ہر تصور کیا جائے کہ یہ شاید ابھرتی ہوئی

لوگ اور مذہبی رہنما اس معاملہ پر طاقت کے پیش نظر صرف مسلمانوں میں ہونے والے حملوں کے بعد، ہے۔ اہل تنقید کے نزدیک اس

محمود مسجد:

2006ء میں سوئٹزرلینڈ میں صرف دو مساجد ایسی تھیں

جن کے مینار تھے جن میں سے ایک محمود مسجد تھی

مسلمانوں کے وہاں ضم ہونے کے عمل میں رکاوٹ اور مقامی سطح پر اثر ورسوخ کو کم کرنے کی روش، غیر ملکی لوگوں میں وفاداری کے زبردستی نفاذ اور دہشت گرد عناصر کو فراہم کردہ رستوں سے اس عمل کو اور بھی تقویت ملی ہے۔ تکمیل معاشرہ کے اس عمل میں غیر ملکی شہریوں اور مقامی لوگوں کو اپنے مذہبی اور نسلی تفریق کو قائم رکھنے کی اجازت ہونی چاہیے مگر اس کی اکثر لوگوں نے مخالفت کی، خاص طور پر یورپ نے سخت مخالفت کی، جو مکمل طور پر بغیر کسی مذہبی اور نسلی تفریق کے ختم ہونے کا خواہاں ہے۔ آج کے جدید دور میں کاہن یہ پیش گوئی گویا کر چکے ہیں کہ پورے یورپ میں اسلام کی حکومت ہوگی اور اس صدی کے آخر میں یوریبیا (Eurabia) کا قیام ہوگا۔ میڈیا، سیاسی مبصرین اور رہنماؤں نے یہ بھی خبردار کیا ہے کہ امریکہ اور یورپ کو دہشت گردی آسانی سے ہدف بنا سکتی ہے۔

برنارڈ لیوس، جو مشرق وسطیٰ کا تاریخ دان ہے اور بش کی کابینہ کا مشیر بھی رہا ہے، جس کو عراق پالیسی میں ناکامی کے بعد بہت زیادہ شہرت ملی خاص طور پر جب اس نے اہل یورپ کو ملامت کرتے ہوئے یہ کہا کہ وہ وفاداریاں کھو رہے ہیں، اعتماد کی کمی اور تہذیب سے دوری کا شکار ہو رہے ہیں اور یہ الزام لگایا کہ وہ اسلام کے ہاتھوں تحقیر کا ذریعہ بن چکے ہیں، جمہوری حقائق اور کثیر الجہذیبی دوڑ میں پھنس چکے ہیں۔ ڈینیل پائپس، کالم نگار، سیاسی تبصرہ نگار اور مسلم دنیا کا بے رحم ناقد نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ مسلمان آ رہے ہیں۔ اس کے مضمون کا موضوع ہے ''مسلمان آ رہے ہیں'' اس نے یہ بھی اعتراف کیا کہ مغربی یورپ کا معاشرہ وسیع پیمانے پر گندمی رنگ کے لوگوں کی طرف سے ہونے والی ہجرت کے لیے تیار نہیں ہے، ایسے لوگ جو عجیب طرز کی خوراک کھاتے ہوں اور حفظان صحت کے مختلف اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔ تمام مہاجرین اجنبی طور طریقوں اور رویوں کو اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں لیکن مسلمان مہاجرین کے طور طریقے ان سب میں سب سے زیادہ مسائل پیدا کرتے ہیں۔

خوش قسمتی سے دنیا کے بہت سے مسلمان اور مسیحی رہنما، یورپ کے سیاستدان اور انسانی حقوق کے ماہرین میناروں پر لگنے والی پابندی کی پرزور مذمت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ مسیحی برادری (ویٹی کن) بھی اس کو مذہبی آزادی کی خلاف ورزی سمجھتی ہے۔

ان سب کے باوجود گریٹ وائیل، کی فریڈم پارٹی، ڈنمارک پیپلز پارٹی،

آسٹرین فریڈم پارٹی (FPO)، ہنگارین جابک اور برطانوی نیشنل پارٹی نے یورپ میں پارلیمانی الیکشن میں بہت سے اپنے لیڈروں پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ایسی پابندیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ حتیٰ کہ وائیلڈرز، اینٹی فریڈم مسلم پارٹی نے ہالینڈ میں خبردار کرتے ہوئے زور دیا کہ ہزاروں مسلمانوں کی یورپ سے بے دخلی بے حد ضروری ہے اور ہالینڈ میں رہنے والے لوگوں کو اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے خلاف اپنے ووٹ استعمال کرنے چاہئیں۔ بنیادی حقیقت کو نظر انداز کرنے والے اصل میں 21 ویں صدی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان مخلوط یورپی قوم کا حصہ ہیں۔ اسلام اب یورپ کا مذہب ہے، حقیقت میں اسلام بعض یورپی ممالک کا دوسرا سب سے بڑا مذہب بھی ہے۔ جس میں رہنے والے غیر ملکی اب اول اور ثانوی درجے کی شہریت اختیار کر چکے ہیں۔ باوجودیکہ مسلمانوں کے ظاہری عمل سے اور کچھ کم تعداد میں بسنے والے

> دنیا کے بہت سے مسلمان اور مسیحی رہنما، یورپ کے سیاستدان اور انسانی حقوق کے ماہرین میناروں پر لگنے والی پابندی کی پرزور مذمت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور مسیحی برادری (ویٹی کن) بھی اس کو مذہبی آزادی کے خلاف سمجھتی ہے

انتہاپسندوں سے یورپ کو مسلسل خطرہ موجود ہے۔لیکن اس سب کے باوجود کثیر تعداد میں بسنے والے مسلمان دوسرے غیر مسلم شہریوں کی طرح فرض شناس ہیں۔

دوسرے یورپی ممالک کی پالیسی کی طرح سوئٹزرلینڈ میں لگائی جانے والی پابندی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مغربی روشن خیالی کو اپنانے میں بری طرح ناکام ہوا ہے۔وہ بعض بنیادی مذہبی فروعی نکات، مذہبی امتیاز اور مذہبی آزادی سے متعلق منفی نظریات کو ہوا دیتا ہے جبکہ وہاں تقریباً 40,000 مسلمان بستے ہیں اور ان کے لیے صرف چار مساجد ہیں۔

ریفرنڈم کے حامیوں کا کم علمی کی وجہ سے یہ الزام کہ مینار اسلامی تشدد پسندوں کا سیاسی نشان ہے، جس سے یہ تصور ابھرتا ہے کہ چرچ مسیحی تشدد پسندوں کا شاید نشان ہے۔

عالمگیریت اور مغرب میں بڑھتی ہوئی کثیر التہذیبی اور کثیر المذہبی سوچ کے لیے مقامی سطح پر اصول اور اقدار کو اپنانا ضروری ہے۔اسلام کا خوف جو ایک معاشرتی کینسر بن چکا ہے، کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کو اب سب کو تسلیم کر لینا چاہیے، ایسے ہی جیسے غیر سامیت رویے ناقابل قبول ہیں، اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے عوامل بھی ناقابل قبول ہونے چاہیں۔جس طرح غیر سامیت جمہوری روایات اور اشتراکی زندگی کے لیے یہ رویے نقصان دہ ہیں اسی طرح دوسرے عوامل جو مسلمانوں کے خلاف محرک ہیں، خطرناک ہیں۔ان مسلسل خطرات اور عالمی دہشت گردی سے نپٹنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ملک کا دوسرے ملک سے پایا جانے والا خوف کے اسباب پر از سر نو غور کیا جائے اور نسلی تہذیب پر بھی غور ہونا چاہیے، جو مغرب میں روشن خیال جمہوری قوتوں اور وہاں کے

سوئٹزرلینڈ میں مسلمان میناروں پر پابندی کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں

ہم کس طرف جارہے ہیں؟ مغربی سیاسی اور مذہبی نقطہ نگار اور میڈیا کو ضرورت اس امر کی ہے کہ پھیلنے والے اسلام کے خوف سے متعلق صحیح نقطہ نظر لوگوں کے سامنے لائیں۔ایسے لوگوں کی تردید ضروری ہے جو اپنی تقریروں میں نفرت انگیز القاب استعمال کرتے اور یوں نفرت پھیلانے کا جرم کرتے ہیں، ایسی تقریریں جو نسلی امتیاز سے شروع ہوتی ہیں اور سامیت دشمن رویوں پر ختم ہوتی ہیں، ان کے خلاف آواز بلند کریں۔

یورپ کے مسلمانوں کو ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے رویوں کے خلاف آواز بلند کریں۔یورپ کے شہری کی حیثیت سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں، مذہبی امتیاز اور ہونے والے تشدد کی مخالفت کریں اور دوسرے مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے ممالک میں کلیسا کی تعداد کی حدود وضع کریں۔

مسلمانوں کے لیے خطرہ ہیں۔اسی طرح اسلام کے ماننے والے اور ایسے مسلمان جو تشدد کرتے ہوں، کے مابین واضح فرق کرنے کی ضرورت ہے۔اکثریتی امن پسند مسلمانوں اور کم تعداد میں بسنے والے انتہاپسندوں اور اسلام سے خوف زدہ کرنے والوں کے درمیان فرق کی بھی ضرورت ہے۔ان اختلافات سے بچنے کے لیے خارجی اور قومی پالیسی کی ضرورت ہے۔ایسے عناصر جو ٹکراؤ چاہتے ہیں، عالمگیریت کے خلاف ہوں اور کثیر التہذیبی رویے کے خلاف ہوں، کے بارے میں بھی پالیسی بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے لوگ جو منفی مذہبی اور سیاسی رویے رکھنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ہتھیار بنتے ہیں، ان کے ہاتھوں کھیلتے ہیں، ایسے مذہبی و سیاسی رہنماؤں کا ساتھ دیتے اور نفرت کا سبب بنتے ہیں، نسلی امتیاز کو فروغ دیتے ہیں، کے خلاف ایک واضح پالیسی کی ضرورت ہے۔